فقر و فاقہ اور اس کا اسلامی حل

(۸)

از: یوسف القرضاوی۔ ترجمہ و تلخیص: عبدالحمید صدیقی

زکوٰۃ انصاف کے ساتھ عائد کی گئی اسلام نے مال پر زکوٰۃ مقرر کرنے میں بڑے عدل و انصاف سے کام لیا ہے۔ اس نے دولتمند کی محنت کا بھی خیال رکھا ہے اور غریب و نادار کے حق کا بھی۔ دولتمند کے ساتھ ناانصافی نہیں کی گئی اور فقیر کی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ ابن قیم اپنی مشہور کتاب زادالمعاد میں "زکوٰۃ کے بارے میں فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:۔

"زکوٰۃ کے سلسلہ میں آپؐ کا طرزِ عمل ہر لحاظ سے کامل و مکمل تھا، وقت کے لحاظ سے بھی، قدر کے لحاظ سے بھی، نصاب کے لحاظ سے بھی اور مصرفِ زکوٰۃ میں بھی۔ اس میں اربابِ اموال اور غرباء و مساکین دونوں کی ضروریات و مصالح کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو مال اور صاحبِ مال کے لیے باعثِ طہارت بنایا ہے۔ چنانچہ اسے صرف اغنیاء پر ہی واجب کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو زکوٰۃ ادا کرتا ہے وہ زوالِ نعمت سے محفوظ رہتا ہے، بلکہ اس کے مال میں برکت اور افزائش ہوتی ہے اور آفات کو اس سے دُور کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح گویا زکوٰۃ ادا کرنا زکوٰۃ ادا کرنے والے کے لیے ایک قسم کی حفاظت، فصیل اور قلعہ بن جاتا ہے۔"

زکوٰۃ سال میں صرف ایک بار فرض ہے۔ نیز اسے پھلوں اور فصلوں کے پکنے اور مکمل ہونے کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔ اور یہ سب سے زیادہ منصفانہ قانون ہے کیونکہ ہر ماہ یا ہر جمعہ اسے فرض قرار دینا صاحبِ مال کے لیے ضرر رساں تھا اور عمر میں صرف ایک بار فرض کرنا مساکین کے حق میں نقصان دہ تھا۔ چنانچہ سال میں ایک بار فرض کرنا فی الحقیقت سب سے زیادہ منصفانہ ہے۔ پھر حصولِ دولت کے لیے صاحبِ دولت کی کوشش و محنت اور کلفت و مشقت کو دیکھ کر زکوٰۃ کی مقدار میں بھی فرق کر دیا گیا۔ چنانچہ ایسی دولت جو کسی شخص کو اچانک، جمع شدہ مل جائے "رکاز دفینہ" تو اس پر خمس (پانچواں حصہ)

فرض کیا گیا اور اس کے لیے سال کا گزرنا شرط قرار نہیں دیا گیا بلکہ جونہی ایسا خزانہ ملے خمس کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔ رہے پھل اور فصلیں جن میں انسان کو حصولِ دولت کے لیے اس سے زیادہ محنت و مشقت کرنا پڑتی ہے، اس پر کاز سے نصف یعنی عُشر (دسواں حصّہ) زکوٰۃ لگائی گئی کیونکہ زمین کی درستی، آبپاشی اور بوائی وغیرہ پر زیادہ محنت و مشقت سے سابقہ پیش آتا ہے۔ یہ تو اُن فصلوں اور باغات کے متعلق ہے جن کی آبیاری قدرتی ذرائع آبپاشی سے ہوتی ہے اور انسان کو پانی وغیرہ خریدنے یا کنواں وغیرہ کھودنے کی تکلیف نہیں اٹھانی پڑتی۔ مگر جس زمین کی آبیاری کے لیے انسان کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے یعنی وہ اس کی آبیاری نہروں اور نالیوں یا کنوؤں سے کرتا ہے اس کی پیداوار پر نصف عُشر (یعنی بیسواں حصّہ) زکوٰۃ فرض کی گئی ہے۔ اور جب مال و دولت کی بڑھوتری کا انحصار صاحبِ مال کی مسلسل محنت و کوشش پر ہو یعنی وہ اس کے لیے کبھی تو سفر کی صعوبتیں برداشت کرے اور کبھی حصولِ زر کے ذرائع (مثلاً دکان کارخانہ اور دیگر تجارتی ادارے وغیرہ) کے انتظام و انصرام اور نگرانی کی تکلیف اٹھائے تو ایسی صورت میں مال کا ربع عشر (چالیسواں حصّہ) زکوٰۃ مقرر کی گئی ہے۔

بلاشبہ مؤخر الذکر کام میں فصلوں اور پھلوں کی پیداوار سے زیادہ تکلیف اور مشقت اُٹھانا پڑتی ہے، اور فصلوں اور پھلوں کی پیداوار میں تجارت کی نسبت ترقی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا تجارتی مال کی نسبت فصلوں اور پھلوں پر زیادہ زکوٰۃ مقرر کی گئی ہے۔ اور جس زمین کو بارش یا نہروں سے سیراب کیا جائے اس کی نمو اور پیداوار اس زمین سے زیادہ ہوتی ہے جس کو پن چکیوں کاریزوں اور پنالیوں وغیرہ سے سیراب کیا جائے۔ اور ایک جگہ جمع شدہ مال یعنی دفینہ مل جائے تو یہ صورت حصول زر کی مذکورہ بالا تمام صورتوں سے زیادہ نفع بخش اور آسان ہے۔ پھر چونکہ مال کی ہر مقدار کا مالک اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ دوسروں کی مدد کر سکے اس لیے مال کی ایک خاص مقدار بطور نصاب مقرر کر دی گئی ہے کہ صرف بقدر نصاب مال رکھنے والے ہی پر فریضۂ زکوٰۃ عائد ہو تاکہ ارباب مال کے ساتھ بھی زیادتی نہ ہو اور فقراء مساکین کی ضرورت بھی پوری ہو جائے۔

پروردگار عالم نے صدقات کو آٹھ حصّوں میں تقسیم فرمایا ہے جو انسانوں کی دو قسموں میں پائے جانے

ہیں۔ پہلے تو وہ لوگ ہیں جو کسی حاجت و ضرورت کے پیش نظر صدقہ لیتے ہیں اور حاجت کی شدت و کمی اور کثرت و قلت کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ ان لوگوں میں فقراء و مساکین، غلام اور مسافر وغیرہ آتے ہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں جو منفعت کے لیے لیتے ہیں۔ ان میں زکوٰۃ جمع کرنے والے، مؤلفۃ القلوب اور اصلاح ذات البین کے لیے قرض یا تاوان وغیرہ ادا کرنے والے اور راہ حق کے مجاہد شمار ہوتے ہیں۔ اگر زکوٰۃ و صدقات لینے والا محتاج نہ ہو اور اُسے صدقہ دینے میں مسلمانوں کے لیے کوئی منفعت نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ میں کوئی حصہ نہیں۔

زکوٰۃ کے بارے میں حکومت کی ذمہ داری | زکوٰۃ جیسا کہ واضح ہو چکا، ایک مقرر و مسلّم حق ہے۔ یہ خداوند عالم کی طرف سے فرض کیا گیا ہے۔ اور یہ ایسا حق نہیں جسے افراد کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے کہ اُن میں سے جو فرد اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہو وہ تو اسے ادا کر دے اور جس کا یقین آخرت پر کمزور ہو اور خوف الٰہی سے بھی اسے بہرہ کم تر ملا ہو، وہ اسے ادا نہ کرے۔ یہ انفرادی احسان نہیں بلکہ ایک اجتماعی انتظام ہے جو حکومت کی زیر نگرانی کام کرتا ہے اور ایک سرکاری ادارہ اسے چلاتا ہے۔ وہ ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے جن پر زکوٰۃ فرض ہے اور اُن لوگوں کو دیتا ہے جن کے لیے یہ فرض کی گئی ہے۔

قرآنی دلیل | اس پر سب سے واضح ترین قرآنی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کے کام کی نگرانی کرنے والوں کا اکٹھے اور الگ الگ ذکر فرمایا ہے۔ انہیں عاملین علیہا سے موسوم کیا ہے۔ زکوٰۃ کے مال میں اُن کا بھی حصہ رکھ دیا ہے۔ اور انہیں اس بات کا محتاج نہیں رکھا کہ وہ کسی دوسرے ذریعے سے اپنی تنخواہیں لیں تاکہ انہیں معاشی طور پر تحفظ حاصل ہو جائے اور وہ اپنے کام کو باحسن وجوہ انجام دے سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ	صدقات تو بس فقیروں، مسکینوں اور عاملین کیلئے
وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ	ہیں جو ان صدقات کے وصول اور تقسیم کرنے
فِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	پر مقرر ہیں۔ اور ان کے لیے ہیں جن کے دلوں میں

وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (سورہ توبہ: ۶۰)

الفت دلانی ہے۔ اور گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ اور مسافر کے زادِ راہ میں (خرچ ہونے چاہییں)۔ فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

کتاب اللہ کی اس نصِ صریح کے بعد کسی تاویل اور ڈھیل اور ظن و قیاس کی گنجائش نہیں۔ خاص کر اس کے بعد تو بالکل ہی گنجائش نہیں ہو سکتی جب کہ اس آیت نے مستحقینِ زکوٰۃ و صدقات کی اقسام اور حد بندی کو فریضۃً من اللہ کہہ دیا ہے۔ اب کون ہے جو اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرض کو معطل کرنے کی جرأت کر سکے؟

اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ ہی میں زکوٰۃ کے مصارف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ (توبہ: ۱۰۳)

لے لیجیے ان کے اموال میں سے صدقہ تاکہ آپ پاک کر دیں ان کو اور صاف کر دیں انہیں اس صدقے کے ذریعے اور دعا کیجیے اُن کے حق میں بلاشک آپ کی دُعا اُن کے لیے وجہِ تسکین ہے۔

متقدم و متاخر جمہور مسلمانوں کا یہی مذہب ہے کہ اس آیت میں صدقہ سے مُراد زکوٰۃ ہے اور خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر اس شخص سے ہے جو بعد میں مسلمانوں کا والی ہو۔

سُنّتِ نبوی ابنِ عباسؓ سے مروی جو مشہور حدیث صحیحین وغیرہ میں وارد ہے اس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت ان سے فرمایا تھا: "جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک صدقہ فرض کیا ہے۔ جو اُن کے اغنیاء سے لے کر فقراء و مساکین کو دیا جاتا ہے۔ تم انہیں اس کے ادا کرنے کا حکم دینا اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر دیکھو، اُن کے عمدہ اور بہترین مال مت لینا۔ اور مظلوم کی دُعا سے ڈرنا کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔"

اس حدیث کے جس حصّے کو ہم بطور استدلال پیش کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ فرمان اُس فرض شدہ صدقہ (زکوٰۃ) کے بارے میں ہے جو اغنیاء سے لے کر فقرائے اُمت کو دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک وصول کرنے والا زکوٰۃ وصول کرے اور ایک تقسیم کرنے والا اسے غرباء و مساکین میں تقسیم کرے نہ کہ اِسے اُس شخص کے اختیار اور صوابدید پر چھوڑ دیا جائے جس پر اس کا ادا کرنا فرض ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابنِ حجر فتح الباری شرح بخاری میں مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حاکمِ وقت ہی زکوٰۃ کی وصولی اور اس کے صرف و تقسیم کا ذمہ دار ہوتا ہے، خواہ وہ یہ کام خود کرے یا اپنے کسی نائب کے ذریعے اسے انجام دے، اور جو شخص زکوٰۃ دینے سے انکار کرے اس سے جبراً وصول کرے۔"

یہ جو کچھ قولی حدیث میں وارد ہے اس کو اس سنتِ عملی اور تاریخی حقیقت سے اور بھی تقویت پہنچتی ہے جس پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور آن کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں عمل ہوتا رہا ہے۔ اسی لیے علماء نے کہا ہے حاکمِ وقت کا یہ فرض ہے کہ وہ زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو بھیجے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے بعد خلفائے راشدین زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو بھیجا کرتے تھے۔ نیز چونکہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو مالدار تو ہیں مگر اُن کو معلوم نہیں کہ ان پر مالدار ہونے کی صورت میں کیا کچھ واجب ہے، اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کنجوس ہوتے ہیں، اس لیے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو اُن کے پاس بھیجنا بہت ضروری ہے۔

قوم کے اربابِ اموال پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ اس اہم فرض کی ادائیگی میں ان زکوٰۃ وصول کرنے والوں سے تعاون کریں اور جتنی زکوٰۃ اُن پر واجب ہوتی ہو وہ انہیں ادا کر دیں اور اموالِ زکوٰۃ میں سے کوئی شے بھی اُن سے پوشیدہ نہ رکھیں۔ یہی حکم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اُن کے اصحاب کا۔

جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہارے پاس کچھ سوار آئیں گے جو تمہاری نظر میں ناپسندیدہ ہوں گے۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو انہیں مرحبا کہو اور

جو کچھ وہ کرنا چاہیں انہیں کرنے دو۔ اگر وہ عدل و انصاف سے کام لیں گے تو یہ اُن کے حق میں اچھا ہوگا اور اگر وہ ظلم و زیادتی سے کام لیں گے تو وہ اپنے کیے کی خود سزا پائیں گے۔ ان کی خوشی اور رضا کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے زکوٰۃ پوری ادا کر دی ہے اور انہیں چاہیے کہ وہ تمہارے لیے دعا کریں۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: جب میں آپ کے فرستادے کو زکوٰۃ ادا کر دوں تو کیا میں اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اس سے بری الذمہ ہو جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا "ہاں، جب تم میرے فرستادے کو زکوٰۃ ادا کر دو گے تو تم اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اس سے بری الذمہ ہو جاؤ گے۔ اور تم اس کے اجر کے مستحق ہو جاؤ گے۔ اور گناہ کا مستحق وہ ہوگا جو اس میں ردوبدل کرے گا۔"

صحابہ کرامؓ کے فتوے | سہل ابن ابوصالح اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "میرے پاس کچھ مال جمع ہو گیا جو نصابِ زکوٰۃ کو پہنچ گیا تھا۔ میں نے سعد ابن ابی وقاص، ابن عمر، ابوہریرہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ کیا میں اسے خود ہی تقسیم کر دوں یا حاکمِ وقت کے حوالے کر دوں؟ سب نے مجھے حکم دیا کہ حاکمِ وقت کے حوالے کر دو اور کسی نے بھی کوئی مختلف بات نہ کہی۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے اُن سے کہا: "یہ حاکمِ وقت جو کچھ کرتا ہے آپ جانتے ہیں (یہ واقعہ بنو امیہ کے عہد کا ہے) تو کیا میں ایسے لوگوں کو اپنی زکوٰۃ دے دوں؟" اُن سب نے کہا "ہاں دے دو۔" اس حدیث کو سعید بن منصور نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ "اپنی زکوٰۃ اپنے اولی الامر کے حوالے کر دو۔ اُن میں سے جو اس کا صحیح استعمال کرے وہ اپنے ہی لیے بہتر کرے گا۔ اور جو اس کا غلط استعمال کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔"

حضرت مغیرہ بن شعبہ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنے ایک غلام سے کہا جو طائف میں اُن کی جائیداد کا نگران تھا، تم میرے مال کی زکوٰۃ اور صدقات کو کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا۔ اس میں سے

لہ بیہقی نے اسے صحیح یا حسن سند سے روایت کیا ہے۔

اسلامی ریاست کا ایک اور قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعے دنیا میں اُن اخلاقی اقدار کو فروغ ہوتا ہے جو حیاتِ اجتماعی میں توازن اور ٹھیراؤ پیدا کرتی ہیں۔ جب کسی مملکت میں حاکمیت انسان کی تسلیم کی جاتے گی تو قدرتی طور پر اس میں انسان کے بنائے ہوئے ضابطے اور قوانین نافذ ہونگے۔ ظاہر بات ہے کہ کسی ملک کے سارے عوام ایک ہی جیسی قوت اور ایک جیسے اختیارات کے ساتھ تو قانون سازی میں شریک نہیں ہو سکتے۔ یہ کام انہیں مجبوراً اپنے میں سے ایک گروہ کو ہی سونپنا پڑتا ہے۔ یہ گروہ اس کے لیے اپنے خیال کے مطابق ضابطۂ حیات مرتب کرتا ہے۔ اس سلسلے میں دو بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ ایک تو انسانوں کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے ذاتی رجحانات اور میلانات کو یکسر نظر انداز کر کے محض انسانیت کی فلاح و بہبود کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی ضابطہ تشکیل دے سکیں۔ انسان میں فطری طور پر اتنی مکمل بے لوثی نہیں آسکتی کہ وہ اپنی ذات سے بالکل الگ ہو کر سوچے۔ دوسرے اسے اپنی سربراہی قائم رکھنے کے لیے معاشرے کے ان بارسوخ افراد اور مضبوط گروہوں کی تائید کی ضرورت ہوتی ہے جن کے بل پر وہ اس مقام پر زیادہ دیر تک فائز رہ سکے۔ اس لیے وہ لازمی طور پر آئین و قانون کی تشکیل میں اپنے ان مؤید گروہوں اور طبقات کا خیال رکھتا ہے اور نظامِ حیات اس انداز سے مرتب کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے اس کے حامی طبقوں کو زیادہ سے زیادہ دنیوی مراعات حاصل ہوں۔ اس لیے انسان جو نظام ترتیب دیگا اس میں لازمی طور پر بعض طبقوں کے حقوق پامال ہوں گے اور بعض کو اپنے جائز حصے سے زائد فوائد حاصل ہونے کا التزام ہوگا۔ انسان کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ کسی ضابطۂ حیات میں تمام انسانوں کے ساتھ پوری طرح عدل و انصاف کا معاملہ کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک معاشرے کے اندر ہی ایک دوسرے کے مخالف طبقات پیدا ہو جاتے ہیں اور اس طرح ملک کے اندر لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور متوازن اور جامع نظامِ حیات نہ ہونے کی وجہ سے ملک مستقل طور پر بدامنی کا شکار رہتا ہے۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں آپ کسی ملک کا جائزہ لیں تو آپ وہاں بے چینی، اضطراب اور عدمِ تحفظ کی عام فضا پائیں گے۔ ہر گروہ دوسرے گروہ کا شاکی اور ہر طبقہ دوسرے سے برسرِ پیکار ہے

عزت، سارے معاشرے کی خوشحالی، اور قوموں اور حکومتوں کی سچائی اور بھلائی کی طرف متوجہ کرنا بھی شامل ہے۔ ہدایت کے اس مکمل نظام میں ایک شق زکوٰۃ کی بھی ہے جسے ادا کرنا اگرچہ فرد پر فرض ہے مگر اس کی تنظیم فرد کے فرائض میں نہیں بلکہ اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل کی گئی ہے چنانچہ اسلام میں زکوٰۃ کا جمع کرنا اور اُسے مستحق افراد و معاشرہ تک پہنچانا حکومت کے سپرد کیا گیا ہے نہ کہ اسے لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں جن سے شریعت اسلامی بے اعتنائی نہیں برت سکتی:

۱۔ معاشرے میں ایسے افراد بھی ہو سکتے ہیں جن کے ضمیر حُبِّ دنیا اور حُبِّ ذات کے سبب مردہ ہو گئے ہوں یا انہیں کوئی روحانی بیماری لاحق ہو گئی ہو۔ اگر فقراء و مساکین کے حق و ایسے لوگوں پر چھوڑ دیا جائے تو اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ فقراء و مساکین کو ان کا حق لازمی طور پر مل جائے گا۔

۲۔ اگر فقیر اور محتاج شخص بجائے ایک دولت مند آدمی سے لینے کے حکومت سے اپنا حق وصول کرے تو اس کی عزتِ نفس اور آبرو محفوظ رہتی ہے اور اس کے احساسات مجروح نہیں ہوتے۔

۳۔ اگر تقسیمِ زکوٰۃ کے معاملے کو افراد پر چھوڑ دیا جائے تو تقسیم میں بدنظمی پیدا ہو جائے ہو سکتا ہے کہ اکثر دولتمند ایک ہی فقیر و محتاج کو زکوٰۃ دیتے رہیں اور دوسروں کو نظرانداز کر دیں اور وہ انہیں تقسیمِ زکوٰۃ کے وقت یاد تک نہ آئیں در آنحالیکہ وہ اس فقیر سے زیادہ محتاج ہوں۔

۴۔ زکوٰۃ کا مصرف صرف فقراء و مساکین اور مسافروں تک ہی محدود نہیں، بلکہ اس کے بعض مصارف وہ ہیں جن سے عامۃ المسلمین کا مفاد وابستہ ہوتا ہے، جس کا اندازہ افراد نہیں کر سکتے بلکہ مسلمانوں کی جماعت کے اولوالامر اور اہلِ شوریٰ ہی کر سکتے ہیں۔ مثلاً مؤلفۃ القلوب کو دینا، جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ساز و سامان تیار کرنا، اور دنیا میں اسلام کی تبلیغ کے لیے مبلغین کو تیار کرنا۔

۵۔ اسلام دین بھی ہے اور حکومت بھی۔ قرآن بھی ہے اور سلطان بھی۔ اس سلطان اور حکومت کو بھی مال کی ضرورت ہے جس سے وہ اسلامی نظام قائم کر سکے اور اس سلسلے میں اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنا سکے۔ اور اس مال کے حصول کے ذرائع کا ہونا بھی ضروری ہے۔ زکوٰۃ حکومت کے خزانے یا بیت المال کے لیے ایک بڑا اہم اور دائمی ذریعہ آمدنی ہے۔

زکوٰۃ کا بیت المال | اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظام میں یہ ایک بنیادی بات ہے کہ زکوٰۃ کے لیے ایک الگ بجٹ بنے اور آمدنی علیحدہ ہو جس میں سے صرف زکوٰۃ ہی کے مصارف پر خرچ کیا جائے۔ یہ خاص انسانی اور اسلامی مصارف ہیں۔ اس مال کو حکومت کے عام بجٹ میں نہیں ملانا چاہیے جو اتنا وسیع ہوتا ہے کہ اس میں مختلف منصوبے آتے ہیں اور اس کی آمدنی مصارفِ زکوٰۃ کے سوا دوسرے مصارف میں خرچ ہوتی ہے۔ سورۂ توبہ کی جس آیت میں مصارفِ زکوٰۃ بیان کیے گئے ہیں اس میں فرمایا گیا ہے کہ زکوٰۃ کے جمع و تقسیم کا کام کرنے والے اپنی تنخواہیں زکوٰۃ ہی سے لیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا ایک مستقل بجٹ ہو اور زکوٰۃ کے انتظام و انصرام پر اسی میں سے خرچ کیا جائے۔ زمانۂ قدیم سے مسلمان اس آیت سے یہی سمجھے آئے ہیں۔ انہوں نے حکومتِ اسلامی کے بیت المالوں کو چار قسموں میں تقسیم کرتے ہوئے زکوٰۃ کا ایک الگ بیت المال مقرر کیا ہے:

۱۔ زکوٰۃ کا خاص بیت المال جس میں زکوٰۃ کی آمدنی، اس کے جمع کرنے کا انتظام اور حسبِ ضرورت اس کے مصارف پر اسے تقسیم کرنا شامل ہے۔

۲۔ جزیہ و خراج کی آمدنی کا بیت المال۔ جزیہ ایک ایسا مال ہے جو مسلمانوں کے درمیان رہنے والے غیر مسلموں سے اس شرط پر لیا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے نفع و نقصان میں اُن کے شریک ہوں گے۔ جیسے مسلمانوں سے زکوٰۃ اور دوسرے صدقات مثلاً صدقۂ فطر، عبادات میں کمی بیشی اور گناہوں کے کفارے وغیرہ لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح غیر مسلموں سے جزیہ لیا جاتا ہے۔ نیز جزیہ لے کر مسلمان حکومت غیر مسلموں کو فوجی خدمت میں شرکت کی تکلیف دیتے بغیر اُن کا دفاع اور اُن کی حفاظت کرتی ہے۔ اور خراج ایک قسم کا سالانہ ٹیکس ہے جو کسی رقبۂ زمین پر اُس کی طاقت کے مطابق لگایا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوادِ عراق وغیرہ پر لگایا تھا۔

۳۔ غنائم اور رکاز کا بیت المال (بعض لوگ کہتے ہیں کہ رکاز وغیرہ زکوٰۃ میں سے نہیں اور اسے زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ وہ ان کا بیت المال ہی الگ مقرر کرتے ہیں)

۴۔ گم شدہ چیزوں کا بیت المال: ان میں وہ مال آتے ہیں جن کے مالکوں کا پتہ نہ چل سکے اور وہ مال

بھی آتے ہیں جن کا کوئی وارث نہ ہو۔

یہاں ہم جو کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ رضاکارانہ طور پر کیے گئے احسان یا اُن شخصی فرائض میں سے نہیں ہے جنہیں صرف افرادِ معاشرہ کے قلب و ضمیر پر چھوڑ دیا گیا ہو (کہ وہ چاہیں تو ادا کریں چاہیں تو نہ کریں)، بلکہ یہ تو ایک فریضہ ہے جس کی نگرانی اور اس کے جمع کرنے اور پھر مستحق افراد میں تقسیم کرنے کا انتظام حکومت کے ذمے ہے۔ یہ ایک قسم کی عبادت ہے جس میں ٹیکس کی سی خاصیت ہے، یا ایک قسم کا ٹیکس ہے جس میں عبادت کی رُوح کارفرما ہے۔ لہٰذا اُس کی حفاظت اور ادائیگی کی نگرانی دو نگران کرتے ہیں۔ ایک خارجی نگران یعنی مسلمان حکومت اور سارا مسلم معاشرہ۔ دوسرا داخلی نگران جو مسلمان کے ضمیر، اس کے ایمان باللہ، رحمت حق کی امید اور عذابِ الٰہی کے خوف سے عبارت ہے۔ البتہ جب کوئی ایسی مسلمان حکومت موجود نہ ہو جو فقراء کے حق کی حفاظت کرنے اور اسے اشرار کے ہاتھوں سے بزورِ چھین لینے میں خلیفۂ اوّل سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سا طرزِ عمل اختیار نہ کر سکے تو پھر فقیر اُس اسلامی ضمیر کی کفالت میں رہے گا جو خدا سے امید رحمت بھی رکھتا ہے اور اس سے ڈرتا بھی ہے اور جس کا ایمان اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص پیٹ بھر کر رات گزارے اور اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا ہو۔

(باقی)